اردو شاعرات کی نظموں میں اساطیری حوالے

ڈاکٹر فہمیدہ تبسم

Dr. Fehmida Tabassam

Head of Urdu Department,
Federal University of Urdu, Islamabad.

ارم صبا

Iram Saba

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Federal University of Urdu, Islamabad.

Abstract:

A myth is any traditional story consisting of evevts that are ostensibly historical,though often supernatural,explaining the origins of cultural practice or natural phenomenon.urdu literature, deeply influnced by islamic and Hindu myths. We can not understand the literature like aag ka drya s first portion and most of intzar hussain s short stories untill we have knowledge about myth.In urdu poems,poet also use myths /asateer.A myth is a sacred narrative because it holds religious or spiritual significance for those who telll it.

اساطیر، اسطورہ اور دیومالا کے لئے انگریزی زبان کا لفظ Myth استعمال ہوتا ہے۔ اساطیر کا جنم اس وقت ہوا جب ماضی کے انسان نے دنیا کو اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق معنی پہنانے شروع کئے اور خارجی و باطنی قوتوں کو خود سے برتر جان کر دیوتا قرار دیا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں اساطیر کے لفظ کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

> ’’اساطیر ایسی اصطلاح ہے جو علامتی ابلاغ کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ یہ غیر واضح شکل ہیں علامتی رویوں (اقدار، رسوم و رواج) اور علامتی مقامات (مندر، گرجا، یادگاریں) کی۔ اساطیر (جمع کی حیثیت میں) دیوتاؤں اور فوق البشر لوگوں کے غیر معمولی کارنامے ہیں۔ ایک ایسے وقت میں جو عام انسانی

تجربات سے ماورا ہے۔'' (۱)

علامت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو اساطیر زمانی و مکانی حدود سے ماورا ہیں اور فرد، ماحول ،موجودات و نباتات کے ان رازوں سے پردہ اٹھاتے ہیں جن کی نقاب کشائی سے فرد اور معاشرہ ہچکچاتے ہیں۔معاشرے کے صنعتی طور پر ترقی یافتہ ہو جانے پر وہ اساطیری انداز میں سامنے آتے ہیں۔

دنیا کے ہر خطے کی اپنی اساطیر ہیں جن کے ساتھ خوف، اسرار، تقدس، عبودیت اور تحیر کے عناصر لازم ہیں۔انسان کی سماجی و معاشی ترقی کا اثر ماحول پر ہوا اور اس کے ساتھ ہی فوق البشر بستیوں کی داستانوں نے جنم لیا۔یہ داستانیں تاریخی حدود کو ختم کرتی ہوئی افسانوی ادب کا حصہ بن گئیں۔ان روایتی کہانیوں کو ''اساطیر'' کہا جانے لگا۔ماضی کے انسان نے خود سے برتر ہستیاں تخلیق کیں اور جادو ٹونے کے لئے لائحہ عمل اختیار کیا۔یہ سب داستانوں میں کھل کر سامنے آیا۔یہ ماورائے فکر عناصر انسانی خواہشات کی تجسیم کرتے ہیں۔کہیں یہ ہستیاں دیوی دیوتا بنتے ہیں تو کہیں پریاں، اپسرا، جل پریاں، کہیں بھوت، آسیب اور راکشس وغیرہ۔یہ تمام کردار داستانوں میں نظر آتے ہیں۔اساطیر کی تعریف ایسی پیچیدہ کہانی کے طور پر کی جا سکتی ہے جو علامتی انداز میں آغاز آفرینش اور انسانی بقا کے بارے میں گہرے معانی پر مبنی انسانی رویوں کی عکاسی کرتی ہے۔(۲)

ادب میں اساطیری حوالوں نے اسے نئی راہوں سے روشناس کروایا۔ادبی فن پاروں میں اساطیری سلسلوں کو کثرت سے کہیں اشارات اور کہیں وضاحت کے ساتھ استعمال کیا جانے لگا۔سمیری، بابل، مصری ،یونانی ،چینی اور ہندی اساطیری حوالے اردو ادب میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔علاوہ ازیں داستان ،افسانے ،ناول اور شاعری تمام اصناف ادب پر اساطیر کی گہری چھاپ ہے۔خصوصاً شاعری میں آغاز سے ہی اساطیری حوالوں کی بھرمار ہے۔قدیم مثنویوں پر اساطیر کے اثرات نمایاں ہیں۔قدیم مثنویوں کے کردار، ماحول اور کہانیاں پر اسرار اور غیر معمولی ہیں۔ان مثنویوں کے ہیرو کسی بھی طرح کسی دیوتا سے کم نہیں ہیں۔ان مثنویوں میں جگہ جگہ جنوں اور پریوں کے قصے، جادوگر اور ساحر اور نجومی ہیں جو بادشاہوں کو آنے والے حالات سے آگاہ کرتے ہیں۔اردو شاعری خصوصاً نظم کے تمام اہم شعرا نے اساطیری علامات سے کام لیا ہے۔اردو شاعرات نے بھی بات کے بیان کے لئے بلا واسطہ اظہار کی بجائے بالواسطہ طریقِ اظہار اختیار کیا، جذبات کے اظہار اور احساسات کی ترجمانی کے لئے علامتی، تمثیلی اور اساطیری طرز اظہار اپنایا۔اظہار کا یہ طریقہ نظم میں دلچسپی کا سبب بنتا ہے۔

اردو نظم میں اساطیری قصوں کو استعمال کرنے کا رجحان بہت پرانا ہے۔اردو ادب میں ایسے بہت سے کردار ہیں جنہیں مختلف عقیدوں اور مذہبی افکار نے اہم حیثیت دی۔خوف، تحیر اور رحمت کے یہ پیکر رفتہ رفتہ حسی پیکر بنتے گئے۔عوامی احساسات و جذبات ان میں شامل ہونے لگے۔رام اور سیتا کے

اساطیری حوالے اردو نظم میں بکثرت ملتے ہیں۔ سیتا کی اگنی پریکشا کا واقعہ اردو نظم و نثر دونوں کا موضوع بنتا ہے۔ رام کے بن باس میں ان کا بھائی لچھمن ان کے ساتھ تھا۔ ایک دن جب رام شکار کے لئے گئے تو راون سیتا کو اٹھا لے گیا۔ راون اور رام کی جنگ کے بعد رام سیتا کو واپس لے آتا ہے لیکن لوگ سیتا پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ پاک نہیں ہے۔ راجا دسترتھ کے بیٹے رام نے اپنی بیوی سیتا کو پاکیزگی کا یقین دلانے کے لئے اگنی پریکشا دینے کو کہا۔ سیتا اس آزمائش سے گزرتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے لیکن اس کے اعتماد کی کرچیاں اسے رام سے دور کر جاتی ہیں۔ زہرہ نگاہ کی نظم ''بن باس'' میں اسی اساطیری حوالے کو شاعری میں استعمال کیا ہے:

سیاں کو دیکھے سارا گاؤں / آگ پہ کیسے دھرے گی پاؤں
بچ جائے تو دیوی ماں ہے / جل جائے تو پابن
جس کا روپ جگت کی ٹھنڈک / اگنی اس کا درپن
سب جو چاہیں سوچیں سمجھیں / لیکن وہ بھگوان
وہ تو کھوٹ کھپٹ کے بیری / وہ کیسے نادان
اگنی پار اتر کے سیاں / جیت گئی وشواس
دیکھا دونوں ہاتھ بڑھائے / رام کھڑے تھے پاس
اس دن سے سنگت میں آیا / سچ مچ کا بن بن باس(۳)

بھوت، آسیب اور روحیں اکثر نظموں میں علامت کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ آسیب درختوں پر اپنا ٹھکانہ بناتے ہیں اور اماوس کی راتوں میں بھول چوک سے اپنے پاس آنے والوں پر قبضہ کر لیتے ہیں اور اس شخص کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں:

کونے میں آنگن کے میرے
گل چاندی کا پیڑ تھا
اس کے تنے میں بیسیوں
لوہے کی کیلیں تھیں جڑی
کیلوں کو مت چھونا کبھی
تاکید تھی مجھ کو یہی
یہ راز مجھ پہ فاش تھا
اس پیڑ پہ آسیب تھا(۴)

یاسمین حمید کی نظم ''گھنے پیپل'' میں بھی گھنا پیپل آسیب زدہ نظر آتا ہے۔ ہندوستان میں دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی روایت بہت پرانی ہے۔ دیوی دیوتاؤں کو شاعری میں بہت سے ناموں سے

مخاطب کیا گیا ہے۔قدیم اردو مثنویوں کا ہیرو کسی دیوتا سے کم نہیں تھا آج بھی جب کوئی عورت اپنے ہیرو کی بہادری کی مثال دینا چاہتی ہے تو کسی دیوتا کو علامت کے طور پر استعمال کرتی ہے۔فہمیدہ ریاض نے اپنی نظم ''میگھ دوت'' میں ایسے ہی دیوتا کا تذکرہ کیا ہے۔ ہندو دیو مالا میں یہ دیوتا ''اندرا، بجری، میگھا، سورگا پتی اور سکرا'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔اس دیوتا کی شان میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ یہ جھلسی ہوئی کھیتی کو پامال کرتا ہے اور پیاسی زمین کو سیراب کرتا ہے۔مگر بعض اوقات میگھ دیوتا بھی اندر کی پیاس نہیں بجھا سکتا:

سنسناہٹوں کے ساتھ ر
گڑگڑاہٹواں کے ساتھ
آ گیار پورن رتھ پر بیٹھ کر
میرا میگھ دیوتا
دوش پو ہواؤں کے بال اڑاتا ہوا
اس کا جامنی بدن آسمان پہ چھا گیا
بڑی گھن گرج کے ساتھ
ٹوٹ کر برس پڑا
اور میں آنکھ موند کر
ہاتھ پسارے ہوئے دوڑتی چلی گئی
انگ سے لگا رہی
نیل اس کے انگ کا
مگر ملن کی پیاس پھر بھی باقی ہے(۵)

شاعرہ نے بدھ اساطیر سے جو رشتہ استوار کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔اردو ادب میں ایسے بہت سے کردار ہیں جنہیں مختلف عقیدوں اور مذہبی افکار نے اہم حیثیت دی۔خوف، تحیر اور رحمت کے یہ پیکر رفتہ رفتہ حسی پیکر بنتے گئے۔عوامی احساسات و جذبات ان میں شامل ہونے لگے۔ ماضی کی حسیت نے اس عہد کے انسان کا المیہ بیان کرنے کی ذمہ داری بخوبی نبھائی ہے۔شاعرات نے اپنے تجربوں کی ترسیل کے لیے ماضی کی حسیت کو بیدار کیا۔نظم ''شہر والو سنو'' میں بھی اساطیری حوالے ملتے ہیں۔انجان آواز پر پلٹ کر دیکھنا اور پتھر کا ہو جانا اردو داستانوں میں ایسے واقعات کثرت سے ملتے ہیں فہمیدہ ریاض نے اسی واقعے کو نظم میں بیان کیا ہے:

دور دیسوں میں ہوتا ہے کیا
ماجرے آج سارے سنو

وہ سیاہ چشم، پستہ دہن، سیم تن، نازنیں عورتیں
وہ کشیدہ بدن، سبز خط، خوش قطع ماہر و نوجواں
اور وہ جادوگری ان کی تقدیر کی
وہ طلسمات، سرکار کی نوکری
اک انوکھا محل
جس سے گزرا
تو ہر شاہزادے کا سر خوک کا بن گیا(٦)

ناہید قاسمی کی نظم ’’پرانی رات نئی مشعل‘‘ میں ایک ایسے محل کا ذکر ہے جس میں جادو کے زور سے سب کو سلا دیا گیا ہے اور اس محل کے گرداگرد صرف طلسم جاگ رہا ہے:

روشن روشن آبادی سے دور بہت ہی دور
اک انوکھا مٹیالا سا محل تھا جس میں جو کچھ تھا وہ سویا ہوا تھا
سب انسان، پرندے، جگنو مینا، شاخیں، پتے، پھول
اس کے اندر باہر صرف طلسم ہی جاگ رہے تھے
جادو، سحر، بلائیں(٧)

منصورہ احمد گوتم کی اساطیری علامت نظموں میں استعمال کرتی ہیں۔ وہ خود تو گوتم سے زیادہ قابل ستائش سمجھتی ہیں کیوں کہ گوتم نے اس دنیا کو تیاگ کو نروان پا لیا اور دنیاداری کے دکھوں سے بچ گیا۔ منصورہ احمد اساطیر کا سہارا لے کر عصری حسیت کو بیان کرتی ہیں۔ شاعرہ کا کہنا ہے کہ یہ دنیا انسان کے لئے آزمائش گاہ ہے لہذا اس دنیا میں رہ کر دنیا کے دکھوں کو جھیلنے والا گوتم سے برتر ہے:

کتنی مورتیاں گوتم کی
اک احساس ستائش لے کر
انسانوں نے سجا رکھی ہے
کہ گوتم کو نروان ملا تھا
جیون کا وجدان ملا تھا
اور دکھ کا عرفان ملا تھا
اس تحسین کو اور بڑھاؤ
اک مورت میری بھی بناؤ
اس سے بڑی چوکھٹ میں سجاؤ
ہاں میں گوتم سے بہتر ہوں

میں نے جی کر وہ دکھ بھوگے
گوتم جن سے بھاگ گیا تھا(۸)

اردو نظموں میں اکثر جادوگروں، جادوگرنیوں اور جنتر منتر ،ٹونے ٹوٹکے کرنے والوں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ وہی جادوگرنیاں ہیں جنہوں نے اوڈیسس کو روکنے کی کوشش کی تھی۔ یہ پچھل پیریاں بن کر لوگوں کو ڈراتی ہیں۔ نظم "سنو گوتم" میں منصورہ احمد گوتم سے مخاطب دکھائی دیتی ہیں۔ منصورہ احمد جادوگروں کے کمالات کی کہانی بھی سناتی ہیں اور کہتی ہیں اگر دنیا میں زندہ رہنا ہے تو جادوگر بننا ہی بہتر ہے:

میں نے دیکھا ہر اک گھر میں
جادوگر کی قید میں سہمی
کچھ نیلم پریاں رہتی ہیں
نرم ہوا کے ہر جھونکے سے
آہٹ کی خوشبو چنتی ہیں
اور ادھر کچھ تہہ خانوں میں
ہجر زدہ بے بس شہزادے
وقت کی آنچ پر جل جاتے ہیں
سرد دھویں میں ڈھل جاتے ہیں
ان دونوں کے بیچ میں کچھ صحرا پڑتے ہیں
جن کے نخلستان اور چشمے
کالے دیو اور جادوگر کی ملکیت ہیں
یہ جادو کے زور سے باقی انسانوں کو
مچھر، مکھی اور رستوں کی دھول
بنا کر رکھ دیتے ہیں(۹)

قصوں، کہانیوں میں جن اور چڑیلیں اور عفریتیں بہت طاقت ور اور ہوشیار دکھائی دیتے ہیں وہ فائدہ بھی پہنچاتے ہیں اور نقصان بھی دیتے ہیں، اچھے بھی ہیں اور برے بھی ۔شاعرات کے ہاں خوف کی صورت حال ازمنہ قدیم سے ایک اساطیری مماثلت رکھتی ہے۔خوف اور اسرار کی پیش کش نظم کو اساطیری فضا فراہم کرتی ہے۔ "یہ گئی اماوسوں کا ذکر ہے۔۔۔۔" میں پروین شاکر داستان سناتی ہیں اور اسی طرح کے خوف کا شکار ہیں۔نظم کا مرکزی کردار ایک شام گھر لوٹتے ہوئے راستہ بھول جاتا ہے اور جنگلوں میں بھٹک جاتا ہے:

زندگی میں خاموشی سے کبھی اتنا ڈر نہیں لگا

میں ایک آسمان چشیدہ پیڑ کے سیہ تنے سے سر ٹکائے
تازہ پتے کی طرح لرز رہی تھی
ناگہاں کسی گھنیری شاخ کو ہٹا کے
روشنی کے دو الاؤں دہک اٹھے
ان کی آنچ میرے ناخنوں تک آرہی تھی
ایک جست۔۔۔۔۔
اور قریب تھا کہ ہانپتی ہوئی بلا
مرے رگِ گلو میں اپنے دانت گاڑ دیتی
کہ دفعتاً کسی درخت کے
عقب میں چوڑیاں بجیں
کھلے ہوئے دراز گیسوؤں میں آنکھ مارتا ہوا گلاب
وہی بلا، وہی نجس، وہی بدن دریدہ فاحشہ
تڑپ کے آئی۔۔۔۔اور۔۔۔۔
میرے اور بھیڑیے کے درمیان ڈٹ گئی(۱۰)

سورج، کالی رات، آگ، اگنی، شام، سمندر اور برگد وغیرہ کی اساطیری علامات کو اکثر شعراء نے نظموں میں استعمال کیا ہے۔منصورہ احمد ہی کی نظم ''آشوب'' میں سورج اور اہرمن کے اساطیری حوالے ملتے ہیں۔''سورج کا سوا نیزے پر ہونا'' اسلامی اساطیری حوالہ ہے،منصورہ احمد کے ساتھ شاہین مفتی نے بھی اپنی نظم ''خواب اور خواہش'' میں سورج کی علامت کو استعمال کیا ہے۔منصورہ احمد کی نظم ''مجھے آزاد کرو'' میں سورج اور کالے سمندر کا اساطیری حوالہ موجود ہے۔۔اساطیر میں چاند، سورج، تارے، قوسِ قزح، پہاڑ، بادل، بارش، سمندر، جانور، پرندے، درخت اور آبشار وغیرہ اپنے عمل اور ردِ عمل سے متاثر کرتے ہیں۔اسطوری پیکروں میں انسانی صورتیں بھی ہیں اور بنیادی نفسیاتی محرکات بھی۔

ہندوستانی اساطیر میں ''ماں'' کی علامت تحفظ کا احساس دلاتی ہے اور غلط کام نہ کرنے کیا تعلیم دیتی ہے۔شاعرات کے ہاں یہ علامت دکھ بانٹنے اور تحفظ کے احساس کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ ہندوستانی اساطیر میں ''کالی ماں'' بہت ہی پر اسرار ہے۔اس نے کائنات کی تخلیق کی ہے اور یہ عریاں رہتی ہے۔اس کے چار ہاتھ ہیں۔وہ وقت کی دیوی ہے۔کالی رات کی اساطیری علامت کو بہت سی شاعرات نے اپنی نظموں میں استعمال کیا ہے۔رات کا اپنا ایک جادو ہے جو مسخر کر لیتا ہے۔اس کے دامن میں نیکی اور بدی سب چھپ جاتا ہے۔اس میں ایک اسرار ہے۔منصورہ احمد کی نظم ''بجھن

مولائسس کی ماں کے نام' ' میں اس علامت کو شاعرہ نے خوب صورت انداز میں جذبات کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے:

میا! مت رو
کالی رات ہے ناگن جیسی
ڈسنے والی
بیراگی سناٹے اوڑھے سونے والی(۱۱)

اساطیری حوالوں میں اکثر سفر کے دوران انسانوں کی جون بدل جاتی تو کہیں شہزادوں کو پتھر کا بنا دیا جاتا ہے، کہیں پراسرار آوازیں سنائی دیتی ہیں یہ پراسرار آوازیں انسانوں کو اپنی جانب کھینچ لیتی ہیں۔ زہرہ نگاہ کی نظم '' کوہ ندا'' میں ایسی ہی پراسرار آوازوں کا تذکرہ ہے۔۔ثمینہ راجا کی نظم '' کالی ماں کا ایک نام کالا راتڑی''اور''لمس زندہ رہے گا''اور یاسمین حمید کی نظم '' گھنے پیپل''میں بھی اساطیری حوالے ملتے ہیں۔ زہرہ نگاہ کی نظم '' کوہِ ندا'' میں پراسرار آواز کا تذکرہ ہے جو اپنی جانب کھینچ لیتی ہے۔فہمیدہ ریاض اپنی نظم ''اقلیما'' ہابیل اور قابیل کی اساطیری علامت استعمال کرتی ہیں۔

اردو شاعرات نے جہاں نظموں میں عصری مسائل اور اپنے جذبات کو خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔انھوں نے علامتوں، تمثیلات اور استعارات سے بھی کامیابی سے استفادہ کیا ہے۔ان نظموں میں ہمیں یونانی اور ہندو دیو مالا ، رادھا ، گوپی ، اوشا ، سوئمبر ، شیو کا رقص ، گوکل کی نگری ، راس لیلا ، بن باس، سلوچنا، ارجن، سدھارتھ، کام دیو، کیکئی ، رام ، کرشن اور رادھا، دیوتا، کرشن، جادوئی اور طلسماتی فضا، آسیب، چڑیلیں، بھوت، خوف، وسوسے وغیرہ نظم کا حصہ بنتے دکھائی دیتے ہیں۔

اساطیری علامتیں اور اساطیری حوالے انسانی شخصیت (خصوصا شعر وادب) کے لئے قوت بخش حقیقت ہیں جس سے نفسیاتی وروحانی توانائی حاصل کی جاتی ہے۔اردو ادب کو اساطیری تجربوں سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔اردو شاعرات نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا اور اساطیری علامات کو اپنی نظموں میں جگہ دی۔

استعاروں، اشاروں، تلمیحات اور علامات میں اساطیر کی بدولت بڑی بلاغت پیدا ہوئی ہے اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اساطیر کسی نہ کسی انداز میں ادب کی گہری معنویت تک پہنچنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ اردو نظم پر اساطیر اور اساطیری عناصر کے جو اثرات ہوئے ،شعراء کی فکر ونظر ،حواس اور تخیل پر اساطیری واقعات و کردار جس طرح اثر انداز ہوئے ہیں ان سے بھی انکار ممکن نہیں۔اردو شاعرات نے اساطیر سے تخلیقی سطح پر ایک مستحکم رشتہ قائم کر رکھا ہے اور تخلیقی اظہار میں اساطیر سے مدد لے کر علامتوں کو نئی معنویت عطا کی ہے۔

حوالہ جات

1. Encyclopedia Britanica, vol 24, University of Chicago,1999, P-710
2. Prinsiton Encyclopedia of poetry and poetics, Prinston University, 1986, P-538

۳۔ زہرہ نگاہ، شام کا پہلا تارہ، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۲۰۱۲ء، ص:۷۲

۴۔ ایضاً،ص:۴۱

۵۔ فہمیدہ ریاض، سب لعل و گہر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۱ء، ص:۹۷

٦۔ ایضاً،ص:۱۴۵

۷۔ ناہید قاسمی، بنجر دل سیراب کرو، لاہور: مکتبہ فنون، ۱۹۹۱ء، ص:۷۵

۸۔ منصورہ احمد، طلوع، لاہور: اساطیر، ۱۹۹۷ء، ص:۱۹۳

۹۔ ایضاً،ص:۱۱٦

۱۰۔ پروین شاکر، خوشبو، نئی دہلی: شان ہند پبلی کیشنز، ۱۹۸۸ء، ص:۱۵۱

۱۱۔ منصورہ احمد، طلوع، ص:۱٦۴

☆......☆......☆